یورپ میں فلسفۂ سائنس کا ارتقا

پروفیسر عبدالقدیر سلیم

جدید فلسفے کی ابتدا

یورپ میں جدید فلسفے کا ارتقا عموماً فرانسیسی مفکر رینے ڈیکارٹ (Ren'e Descartes) کے نام سے ہوتا ہے۔ وہ ۱۵۹۶ میں پیدا ہوا، یورپ کی کئی جامعات میں فلسفہ، نحو، علم الکلام، دینیات، قانون اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔ بقول خود اپنی تعلیم کی تکمیل کے لیے اس نے پیشہ سپہ گری بھی اختیار کیا۔ کہتے ہیں کہ اوائل عمر ہی میں اس نے خواب دیکھا تھا کہ ”صداقت کی روح“ تمام علوم کے خزانے اس پر منکشف کر رہی ہے۔ ہالینڈ کے قیام کے دوران اس پر یہ منکشف ہوا کہ الجبرا سے جیومیٹری اور عمومی طور پر ریاضی کے طریق سے تمام مسائل کی گتھی سجھائی جا سکتی ہے۔ وہ یورپ کی مشہور تیس سالہ جنگ (۱۶۱۸-۴۸) کے ایک معرکے میں بھی شریک تھا۔ اس جنگ نے جرمنی کو تباہ و برباد کر ڈالا تھا۔ اور اس میں یورپ کے بیشتر ملک نام نہاد مذہبی دھڑے بندیوں کی بنا پر شریک ہوگئے تھے۔ مذہبی آزاد خیالی، رومی کیتھولک کلیسا کی جکڑ بندیوں کے خلاف ایک احتجاج کے طور پر شروع ہوئی تھی۔ جس نے پروٹسٹنٹ فکر کے نام پر باقاعدہ ایک مذہبی فرقے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ یورپ کے جو بادشاہ اور نواب پوپ اور کلیسا کے روز افزوں دباؤ اور جکڑ بندیوں سے عاجز ہوگئے تھے۔ انھوں نے اس ”نئے مذہب“ میں پناہ لی تھی، اور اسی سے مذہبی، سیاسی آویزشیں شروع ہوئی تھیں۔

ڈیکارٹ اس جنگ میں صرف ایک معرکے ہی میں موجود تھا۔ اس کے بعد اس نے فوج کو خیرباد کہا اور اپنے طور پر یورپ کی سیاحت کی۔ کچھ عرصہ اس نے فرانس میں گزارا۔ لیکن پھر اس نے ہالینڈ میں اپنے خیالات کے پرچار کی زیادہ آزادی دیکھی، اور وہاں چلا گیا۔ وہاں اس نے انعطاف نور پر تجربے کیے، بصریات پر مقالے لکھے، اور طبیعیات پر اپنے مطالعے کو قلم بند کیا۔ لیکن جب اسے پتہ چلا کہ گیلی لیو کے نظریہ حرکتِ زمین کی بنا پر کلیسائی عدالتِ تحقیق نے اس کی مذمت کی ہے، تو اس نے اس مطالعے کو شائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ یہیں اس نے اپنے فلسفیانہ طریق پر مشہور کتاب Discourses

on Method لکھی ' اور پھر Meditations on First Philosophy شائع کی ۔ ان کتابوں میں اس نے درست علم کے ذرائع اور ان کی تنقیح سے بحث کی ہے ۔ ۱۶۴۹ میں سویڈن کی ملکہ کرسیٹنا نے اسے اپنے ہاں مدعو کیا کہ وہ سویڈن میں رہے ' اور اسے فلسفہ پڑھائے ۔ وہ ایک علم دوست خاتون تھی ۔ وہیں ۱۶۵۰ میں ڈیکارٹ کا انتقال ہوا ۔

ڈیکارٹ کی زندگی کے اس مختصر سے خاکے سے سترھویں صدی کے وسط میں یورپ کی عمومی ذہنی و علمی فضا کا ایک ہلکا سا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ خانہ جنگیوں اور خلفشار کے باوجود ' روز مرہ کے مسائل اور فکرِ امروز سے ہٹ کر کتب خانوں اور معمل میں یکسوئی کے ساتھ علمی کام اور تحقیق کرنے والے اور کائنات و مافیہا پر غور کرنے والے بھی موجود تھے ' اور ان کے سرپرست اور بہت سے مقتدر بھی ان مسائل میں دلچسپی رکھتے تھے ' ایسے مسائل جو عملی سیاست سے تعلق نہیں رکھتے ۔ اور پھر یہ ایسے مشاغل تھے جو خیال آفرینیوں اور کلامِ موزوں سے کچھ الگ قبیل کے تھے ' جب کہ برصغیر اور کئی ایشیائی تہذیبوں میں صلاحیتوں کی ترک و تاز اور ہی سمتوں میں ہو رہی تھی ۔

ڈیکارٹ کا عہد (۱۷ویں صدی کا نصف اول) روایتی کلیسائی علم الکلام (Scholasticism) کی شکست و ریخت اور نشأت ثانیہ کے نتیجے میں تجرباتی علوم (سائنس) کے آغاز کا دور تھا ۔ ولیم آف آکم (م ۱۳۴۹) ' نکولاس کوپرنی کس (م ۱۵۴۳) فرانسس بیکن (م ۱۶۲۶) ' تھامس ہابس (م ۱۶۷۹) جسے اس کے بعض چاہنے والوں نے "کامل دہریئے" کا خطاب دیا تھا ' چرچ کی روایتی فکر کے بندھن توڑ چکے تھے ' اور مشاہدے ' تجربے اور (اپنی عقل کے مطابق) عقلی استدلال کی روشنی میں نئی سوچ کی طرح ڈال چکے تھے ۔ نئی یورپی فکر کا آغاز دو منفرد اور یکتا دھاروں سے ہوا ۔ عقلیت (Rationalism) اور تجربیت (Empiricism) ' دونوں نے حقیقت کی تلاش ' روایت سے ہٹ کر کرنے کی کوشش کی ۔ ڈیکارٹ نے اپنی قوت عقلیت کی فکری رو کو مہمیز کرنے میں صرف کی ' اگرچہ اس کے نظام میں افلاطونی عنصر کی جھلک بھی نمایاں نظر آتی ہے ۔ ڈیکارٹ اور اس کے پس رووں (اسپائی نوزا ' لائی بنز) نے ' مذہب اور کائنات کی غائی حقیقت ۔۔۔ خدا ۔۔۔ کے تصور کو خیرباد کہے بغیر ' سائنسی فکر کو ان کے مطابق بنانے کی "عقلی" کوشش کی ۔ اس طرح انھوں نے کائنات کے ایک ایسے تصور تک رسائی کی کوشش کی ' جو سائنس کی (مزعومہ) صداقتوں کے ساتھ ہم آہنگ بھی ہو ' اور اس میں مذہب و اخلاق کے لیے جگہ بھی ہو ۔

مستحکم علمی بنیاد کی تلاش

ڈیکارٹ کا بنیادی مسئلہ علمیاتی تھا ۔ یعنی یہ کہ یقینی علم کس طرح حاصل ہو سکتا ہے ' اس کے یقینی

ہونے کا معیار کیا ہے' کسی شے (یا قضیے ' دعوے 'بیان) کے ثبوت کے لیے ہم کیا دلائل لا سکتے ہیں' اور اس شے کا وجود کس طرح ہمارے لیے یقینی ہے۔ اس نے کہا کہ ہمیں تمام ظن و قیاس ' دعووں' تمام ایمانیات اور ''قطعی حقیقتوں'' کو خیرباد کہہ دینا چاہیے اور کھلے ذہن سے ایک صاف تختی لے کر تلاش علم کا آغاز کرنا چاہیے۔ فلاں نے یہ کہا تھا' افلاطون کی یہ رائے تھی' ارسطو یہ کہتا تھا' پوپ صاحب یہ فرماتے ہیں' بڑے سائنس دان (اور فلسفی) اس بات کے قائل ہیں' سب کو چھوڑ دیجیے ۔ خاص طور پر ان تعصبات اور عقائد کو جو بچپن سے ہمارے ذہنوں میں راسخ کرائے جاتے ہیں۔ اب دیکھیں کہ صداقت ہے کیا؟

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو باتیں بدیہی ہیں' (بہ مقابلہ ان باتوں کے جو محض ظنی اور قیاسی ہیں)' ان کے بارے کہا جا سکتا ہے کہ وہ یقیناً درست ہیں۔ اب مذہب کی صداقتیں (وجودِ الٰہی' آخرت اور ''ایمان بالغیب'' قسم کی دوسری باتیں) تو بدیہی نہیں۔ ہم کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ یقیناً ''ہیں''۔ ان کے بارے میں تو شک کیا جا سکتا ہے۔ یقیناً یہ بدیہی صداقتیں نہیں ہیں' لیکن ہمارے حسّی اِدراکات کی بچھائی ہوئی ساری بساط بھی تو یقینی نہیں۔ ممکن ہے حسّی ادراکات کے معطیات' یعنی حواس کے ذریعے ہمارے علم میں آنے والی ساری اشیا بھی اسی طرح ''خیالی'' اور غیر حقیقی ہوں' جیسے واردات خواب' التباس (illusion) اور واہمے۔ جب ہم خواب دیکھ رہے ہوتے ہیں' تو اس کے سارے واقعات' ظروف اور اشیا ہمیں حقیقی محسوس ہوتی ہیں' مگر جب بیدار ہوتے ہیں تو کچھ نہیں ہوتا۔

تھا خواب میں خیال کو اس سے معاملہ جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

اس امکان کو قطعیت کے ساتھ کیسے رَد کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شریر شیطانی قوت ہمیں وہ کچھ دکھا رہی ہو جو نہیں ہے' اور وہ محسوس کرا رہی ہو' جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر ایسا ہے' تو پھر ایک سچے اور حاملِ خیر خدا (یزداں؟) پر بھی ہمارا عقیدہ متزلزل ہو جاتا ہے' کیوں کہ خدا تو اپنے بندوں کو فریب نہیں دے سکتا۔ پھر یہ طلسمِ سامری اور نظربندی کا پاکھنڈ اس کی فریب کاری نہیں ہو سکتی۔ اس لیے خدا پر بھی شک ہے۔ لیکن کیا ریاضی کی صداقتیں ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا نہیں ہیں؟ ڈیکارٹ کہتا ہے کہ مجھے اس میں بھی شک ہے' کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی شریر شیطان نے ہمارے اذہان کو اس طرح مغلوب کر لیا ہو کہ جسے ہم ریاضی کی اٹل صداقتیں تصور کرتے ہیں' فی الواقع وہ یوں نہ ہوں' بلکہ ناصواب ''غلط فہمیاں'' ہوں' جن کا سراغ لگانا ہمارے بس میں نہ ہو' اور آخر پتہ چلے (یا پتہ بھی نہ چلے) کہ 'خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا افسانہ تھا!

اس طرح' ڈیکارٹ کہتا ہے' میں درخت اور پہاڑ' زمین اور آسمان' مخلوق اور خالق' ہر شے کے

حقیقتاً موجود ہونے پر شک کر سکتا ہوں اور کوئی چیز بھی اس عمل تشکیک کی زد سے باہر نہیں رہتی ۔ مگر میں یہ شک نہیں کر سکتا کہ میں شک کر رہا ہوں ' کیوں کہ شک کرنے پر شک کرنا بھی تو شک کرنا ہی ہے ۔ گویا یہ ایک بات ہے جس پر شک نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ ایک یقینی بات ہوئی ۔ اب صورت یہ ہے کہ "شک کرنا" ایک فکری عمل ہے ' ایک سوچ ہے ۔ گویا یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ میں سوچ رہا ہوں ۔ لیکن سوچنے کے لیے لازم ہے کہ کوئی سوچنے والا بھی ہو ۔ اس طرح وہ اپنے وجود کا اثبات کرتا ہے: "میں سوچتا ہوں ' اس لیے میں (وجود رکھتا) ہوں" ۔

دریائے شک کے تند و تیز دھارے میں بے بسی کے ساتھ بہتے اور ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے اس کا ہاتھ ایک محکم چیز پر پڑ گیا تھا ۔ وہ سارے انسانوں کو ' دنیا و مافیہا کو ' ایک نظربندی ' واہمہ اور طلسم بے حقیقت تصور کر سکتا ہے ' مگر اس طلسم کی شکار اپنی ذات پر شک نہیں کر سکتا ۔ لیکن بقول ڈیکارٹ ' اس سوچ نے اسے ایک اہم اصول بھی دے دیا: ایک قضیہ ' منطقی جملہ (یا سوچ) اس وقت درست سمجھا جائے گا ' جب وہ اسی طرح بدیہی اور ناقابل تردید ہو جیسے یہ بات کہ سوچنے کے لیے ایک سوچنے والا چاہیے ۔ یہ ڈیکارٹ کا "انقلابی طریق" تھا: ہمیں اپنے ذہن کا علم براہ راست ہوتا ہے ' جب کہ دوسری چیز کا علم بالواسطہ ہوتا ہے ۔ اس لیے میں اپنے ذہن (اور اپنے وجود) پر شک نہیں کر سکتا ۔ اسی طرح ہمیں یہ بھی مان لینا چاہیے کہ جن چیزوں کا تصور ہمارے ذہن میں ہے ' ان تصورات کو جنم دینے والی چیزیں بھی موجود ہوں گی ۔ میرے ذہن میں ایک کامل ہستی کا تصور ہے ' جو علیم و خبیر کل ' قدیر ' واجب الوجود اور ازلی و ابدی ہے ۔ چوں کہ یہ میری صفات نہیں ' لہٰذا میں ان کا باعث نہیں ہو سکتا ۔ ان صفات سے متصف کوئی ہستی ضرور ہونی چاہیے ۔ وہی خدا ہے ۔ اب اگر یہ خدا ' خدائے خیر ہے ۔ (خدائے شر یا شیطان نہیں) تو وہ یقیناً فریب کار نہیں ہو سکتا کہ ساری دنیا اور کائنات کا طلسم محض ایک فریبِ نظر کے طور پر کھڑا کر دے ۔ اس طرح ڈیکارٹ نے ان تمام چیزوں کا اثبات کیا ' جن پر وہ پہلے شک کر رہا تھا ۔

خدا، ذھن اور مادہ

ڈیکارٹ کے نزدیک خدا چوں کہ ازلی اور ابدی ہے ' وہ کسی اور چیز سے وجود میں نہیں آیا ' اس لیے وہ ایک "جوہر" ہے یعنی substance ۔ جوہر وہ شے ہے جو اپنے وجود سے قائم ہو ' اور اس کے وجود کا دارومدار کسی اور شے پر نہ ہو ۔ خدا کے علاوہ ' وہ دو اور جوہروں کا قائل تھا ۔ یہ اضافی اعتبار سے جوہر ہیں ' یعنی اگرچہ خدا کی تخلیق ہیں لیکن ایک کی تحویل دوسرے میں نہیں ہو سکتی ' بلکہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل الگ اور قائم بالذات ہیں ۔ یہ دو جوہر ہیں: ذہن (mind) اور مادہ

(matter)۔ کائنات و مافیہا اپنے مواد کے اعتبار سے انھی جوہروں سے مرکب ہے ' ان دونوں میں کوئی بھی ابتدائی اور ثانوی نہیں۔

ذہن ' حقیقتاً ایک سوچنے والا جوہر(thinking substance) ہے ' اور مادہ ' ایک جوہر بسیط (extended substance)۔ ذہن کا اپنا الگ وجود ہے ' اور وہ اس کے لیے کسی مادی جسم کا محتاج نہیں۔ اسی طرح مادی جوہر بھی موجود بالذات ہے 'یعنی خود اپنے طور پر موجود ہے۔ ذہن اور مادے کی اس ثنویت سے اوپر وہ خدا کے وجود کو تسلیم کرتا ہے ' اور جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں ' اسے وہ ان دونوں کا خالق مانتا ہے۔ تاہم اس نے دعویٰ کیا کہ کائنات اپنی اصل کے اعتبار سے مادی ہے ' اور کمیت اور ریاضی کے ذریعے ہی اس کی تفہیم ہو سکتی ہے۔ (یہ امر دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے کہ پہلی حاسب مشین (calculator) کی تخلیق کو ڈیکارٹ ہی سے منسوب کیا جاتا ہے) تاہم اس کا خیال تھا کہ مادہ اصلاً غیر متحرک اور بے جان ہے ' اس میں حرکت اولاً انگشت خداوندی ہی سے پیدا ہوئی۔ لیکن اب کائنات اپنے فطری اور طبعی قوانین کی پابند ہے ' اور اس میں خدا کی کسی دخل اندازی کی ضرورت نہیں۔ اور پھر خدا کو ذہن و مادے کا خالق تسلیم کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ خالق اور مخلوق ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں۔ (خالق اپنی مخلوق کا عین کیوں کر ہو سکتا ہے؟) انسانی روح (یا ذہن) کے علاوہ ساری طبعی کائنات یا کل فطرت اپنی نہایت کے اعتبار سے مادے اور حرکت پر مشتمل ہے۔ عالم طبیعی کے واقعات و حوادث ' طبعی اسباب و علل کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔ گویا عالم مادی میں واقعاتی جبریت پائی جاتی ہے۔ حیوانات 'بلکہ انسانوں کے جسم بھی ان قوانین فطری کے پابند ہیں ' اور ان سے سرِمُو بھی تجاوز نہیں کر سکتے۔ حیوانات ' دراصل خودکار مشینیں ہیں ' اور ان کی حرکات و سکنات طبعی مشینی اعمال سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ (جب ڈیکارٹ نے ملکہ کرسٹینا کو اس بات کا قائل کرنے کی کوشش کی کہ حیوانی افعال ' مشینی افعال سے زیادہ کچھ نہیں 'کیوں کہ حیوان پے چیدہ مشینوں سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ جنھیں ہم شعور اور روح کے وظائف کہتے ہیں ' وہ مشینی حرکات ہی ہیں ' تو ملکہ نے کہا کہ میں نے تو کبھی اپنی گھڑی کو ننھی گھڑیوں کو جنم دیتے نہیں دیکھا!)

انسان، حیوان اور مشین

تاہم ڈیکارٹ اس بات کا قائل تھا کہ انسان ' مادی جسم کے ساتھ ساتھ ' روح (یا ذہن) بھی رکھتا ہے۔ حیوانات ' مشینوں کی طرح ' مجبور محض ہیں 'لیکن ذی روح ہونے کی بنا پر انسان ان کی طرح پابند نہیں 'بلکہ آزاد و مختار ہے ' اگرچہ یہ آزادی ' مطلق آزادی نہیں۔ مطلقاً آزاد تو صرف خدا ہی ہے۔ انسان کی آزادی ارادہ یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو خیر اور کسی کو شر تصور کر سکتا ہے 'کسی کو منظور اور کسی کو

نامنظور کر سکتا ہے۔ اچھے برے کی تمیز کے ساتھ ہی افعال کی جواب دہی کا تصور بھی وابستہ ہے۔

ڈیکارٹ نے اس طرح انسان کو حیوان سے ممتاز تو کر دیا' لیکن جس راہ پر وہ چل پڑا تھا اس کا تقاضا تھا کہ انسان کا یہ امتیازی رتبہ ختم کر دیا جائے اور ہم دیکھیں گے کہ مغرب میں حیاتی' کیمیائی اور طبعی علوم کی پیش رفت کے ساتھ ساتھ یہ تمیز فی الواقع ختم کر ہی دی گئی۔ نفسیات نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ دوسرے حیوانات کی طرح انسانی کردار کی تفہیم (اور تبدیلی بھی) مہیّجات (یعنی کسی زندہ جسم یا عضویے پر اثر ڈالنے والی چیزیں) اور ان کے نتیجے میں ظہور میں آنے والے رَدِّعمل کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ آپ کو سردی لگتی ہے تو آپ سکڑ جاتے ہیں' انگلی میں سوئی چبھ جائے تو آپ فوراً ہاتھ ہٹا لیتے ہیں۔ اسی طرح مہیّج عضویہ۔ رَدِّعمل کے اس فارمولے کے مطابق آپ کا کردار بھی ایک خودکار مشین کا سا کردار ہے' جو اپنی مخصوص ساخت کے زیر اثر مخصوص عمل اور ردِّعمل کی پابند ہے۔

ڈیکارٹ نے خدا' روح انسانی اور عالمِ مادی کا اقرار کیا۔ اپنے ہم عصروں میں وہ ایک پکا عیسائی مومن اور پُرجوش کیتھولک باور کیا جاتا تھا' مگر کیا فی الواقع وہ ایسا ہی تھا؟ ول ڈوران کو اس میں شک ہے (۱)۔ شاید اس کی پکی مذہبیت ایک پردہ تھی' اور اس کی عقل پرستی اور تجرباتی دلچسپیاں اسے کسی اور ہی سمت میں لے جا رہی تھیں۔ ایک طرف تو اس نے کہا کہ "عقل ہمیں ان بنیادی عقائد پر ایمان رکھنے سے نہیں روکتی' جو الہامی طور پر ہم پر منکشف ہوئے ہیں' اور ہمارے یقینی علم سے بھی زیادہ یقینی ہیں"۔ اور دوسری طرف اس کا خیال تھا کہ سائنس' تجربی طریق' ریاضی اور شماریاتی منہاج اور کمیاتی توجیہات (quantitative explanations) بالآخر قرونِ وسطیٰ کے دھندلکوں میں لپٹے ہوئے نیم پختہ نظریات اور قیاس آرائیوں کو میدان سے بھگا دیں گے' اور سائنس کی مدد سے انسان "فطرت کا مالک و مختار اور آقائے مطلق بن جائے گا"۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے خدا اور مذہب کو مادیت کی یلغار سے بچانے کی کوشش کی' اور مادے کے ساتھ روح کو ایک الگ جوہر تسلیم کر کے دونوں کو خدا کی مخلوق اور متبوع باور کرانے کی کوشش کی۔ یہ برے آن اے پل یارڈ کا نقطہ نظر ہے (۲)۔

مگر اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ جب اس نے حیوانات کو طبیعی اور فطری قوانین کے تحت کام کرنے والی جاندار (مگر بے روح' بے ذہن) مخلوق قرار دے ہی دیا' تو یہ دعویٰ کمزور بن گیا کہ انسان' جوہری طور پر حیوانات سے مختلف ایک مخلوق ہے' جو روح اور ذہن کی مالک ہے۔ انسان بھی ایک حیوان ہی ٹھہرا' اگرچہ زیادہ ترقی یافتہ۔ یہ کیوں نہ مان لیا جائے کہ دونوں میں وہی فرق ہے' جو ایک سادہ اور ایک پے چیدہ مشین میں --- مثلاً ایک ابتدائی سادہ کمپیوٹر اور ایک ترقی یافتہ کمپیوٹر میں نظر آتا ہے۔ کیوں نہ یہ مان لیا جائے کہ انسان بھی ایسے "خودکاریے" ہیں' اور محض مخصوص مہیّجات پر

رَدِعمل کی صلاحیت رکھنا اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ نوعی اعتبار سے مختلف صلاحیت کے حامل ہوں۔ آخر ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ہمارا کمپیوٹر سوچ اور فکر کا حامل ایک ذی شعور اور برتر مخلوق ہے۔جب کہ ابتدائی قسم کا حاسب محض ایک مشین ہے۔شاید اس نے انسانوں کو حیوانات سے ممیّز اس لیے کر دیا کہ وہ "شرف انسانیت" سے نہ گر جائیں۔اس نے الحاد تو اختیار نہ کیا' لیکن اس کے نظامِ کائنات میں خدا کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی کہ سارے کام اس کے بغیر ہی ہو رہے تھے۔یہ ڈیکارٹ کا وہ روپ ہے ' جس میں وہ انیسویں/ بیسویں صدی کے فلسفۂ سائنس کا محرکِ اوّل قرار پاتا ہے۔

اسپائی نوزا کی توحید

اسپائی نوزا (۷۷-۱۶۳۲) ڈیکارٹ کی طرح تجرباتی سائنس میں منہمک فلسفی اور شہرت و کروفر کا مالک دانش ور نہیں تھا' گو اس کا باپ ایک متمول اور بااثر کاروباری یہودی تھا' جو ہسپانیہ میں یہودیوں کے خلاف عیسائیوں کے غیظ و غضب سے بچنے کے لیے ہالینڈ جا کر بس گیا تھا۔اسپائی نوزا کی ابتدائی تعلیم یہودی کلیسا میں ہوئی' لیکن اس کی گہری مذہبیت اسے یہودیت کے تصورِ الٰہ کو قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ تصور انسان کے اپنے پیکر پر مبنی خدا کا تصور ہے۔ایک ایسا خدا' جو انسان جیسا ہی ہے' مگر بے حد قوت والا' انتہائی علیم و خبیر' کامل و مکمل اور لامتناہی۔مگر دوسری طرف اسے کائنات بھی لامتناہی نظر آئی۔اب دو لامتناہی وجود تو بیک وقت موجود نہیں ہو سکتے۔ اس کا حل اس نے یہ نکالا کہ کائنات اور خدا کو ایک کر دیا۔بہت سے مسلم صوفیا اور مفکر اس سے پہلے اس طرح کی "توحید" کا پرچار کر چکے تھے۔ابن العربی (م ۱۲۴۰) کا وطن ہسپانیہ تھا (جو اسپائی نوزا کا بھی آبائی وطن تھا)' اور وہاں ان کے وحدت الوجود کے فلسفے کا یقیناً چرچا رہا ہوگا' جس کے مطابق اللہ ساری کائنات میں جاری و ساری ہے' اور یہ کائنات اسی کا ایک اظہار ہے۔اسپائی نوزا کے مطابق کائنات میں ایک نظم اور انحصار باہمی نظر آتا ہے۔"اسباب و علل کا سلسلہ ایک دوسرے میں پیوست ہے"۔ درحقیقت تمام موجودات اور ان کے اسباب' ان کا مجموعہ ہی "کائنات" ہے۔یہ سب مل کر ایک اکائی بنتے ہیں۔ان کا باہم مربوط ہونا ضروری ہے' کہ کائنات میں ایک وجود دوسرے کا باعث ہوتا ہے' اور دوسرا' پہلے کا' بلکہ سب کا۔چوں کہ فطرت (nature) ایک وحدت ہے' اس لیے اس کے ہر جز و میں وہ تغیر واقع ہو رہا ہے' وہ دوسرے اجزا کے باعث ہے' اور خود بھی مجموعۂ علل کا ایک حصہ ہے۔اس طرح دیکھیں تو کائنات ایک "مجموعہ اجزا" نہیں' بلکہ ایک کل نظر آتی ہے' جس کے تمام اجزا فی الحقیقت "اعضائے یک دیگر اند"۔

وحدت الوجود روحانی اور مادیتی

یہ اسپائی نوزا کا "وحدت الوجود" ہے۔ جو کچھ ہے' وہ خدا ہے۔ ہم خدا سے جدا نہیں۔ ساری کائنات اپنے حوادث اور اجزا سمیت ایک ازلی اور ابدی جوہر (substance) ہے۔ فانی اشیا اور گزرتے ہوئے حوادث و واقعات اسی ایک لا متناہی وجود کی بوقلمونیاں ہیں۔ اہل دینیات اور علمائے دین نے خدا کو کائنات سے علیحدہ ایک خالق و مالک اور مقتدر مطلق ہستی کا رتبہ دیا' اسپائی نوزا نے خالق و مخلوق کی دوئی ختم کر کے "احدیت" کا وہ فلسفہ پیش کیا' جس میں دہریت اور توحید' مادیت اور ہمہ اوست' کائنات اور خدا کو یک جان (دو قالب؟) کر دیا گیا تھا۔ اس فلسفے نے مغربی فکر کی تاریخ میں دو بالکل متضاد دھاروں کو جنم دیا۔ روحیت کا دھارا اور مادیت کا نظام۔ شیلنگ (Schelling: ۱۷۷۵-۱۸۵۴) اور ہیگل (Hegel: ۱۷۷۰-۱۸۳۱) نے اپنے وجود مطلق کے فلسفے میں کائنات کو روحی الاصل قرار دیا۔ فطرت اشارہ دیتی ہے کہ اس کے پیچھے ذہن کارفرما ہے۔ ہیگل نے یہ خبر دی کہ مطلق (Absolute) کی سب سے مجرد تعریف یہ ہوگی کہ وہ "موجود" ہے" (ہست : Being)' اور اس کے بارے میں کم سے کم جو کہا جا سکتا ہے' وہ یہ ہے کہ وہ "ہے"' بغیر اس کے کہ اس کی کچھ امتیازی صفات (خصوصیات) ہوں۔ دوسرے الفاظ میں وہ ایک وجود (؟) ہے بلا صفات (ابن العربی کا "اعمیٰ")۔ مگر امتیازی خصوصیات کے بغیر محض ہونا' دراصل نہ ہونا یا نیستی یا لاشے (Nothing) ہونا ہے۔ اس طرح مطلق میں "ہست" اور "نیست" دونوں اضداد جمع ہیں' اور اپنی اضداد کے تعامل سے وجود کا ارتقا ہوتا ہے۔ اس طرح وجود مطلق ایک ارتقائی تصور ہے۔ تصوریت کے اس دھارے میں بعد میں بریڈلے (م ۱۹۲۴)' بوزانکے (م ۱۹۲۳)' کروچے (م ۱۹۵۲) پیدا ہوئے۔

احدیت کی دوسری شکل نے بے خدا مادیت کا روپ اختیار کیا' اور اس میں ہولباخ (م ۱۷۸۹) فوائر باخ (Feuerbach' م ۱۸۷۲)' کارل مارکس (م ۱۸۸۳) مشہور ہوئے۔ آخر الذکر نے احدیت کے اس فلسفے کی تشکیل اور ترقی جدلی مادیت اور اشتراکیت کی حیثیت سے کی جس کے بیسویں صدی کی تاریخ پر بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

لیکن فی الحال ہماری دلچسپی کائنات کے اس وحدانی تصور سے ہے' جسے سولھویں / سترہویں صدی میں یورپ میں فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ کلیسا' پروٹسٹنٹ اور کیتھولک' دو فرقوں میں تقسیم ہو چکا تھا' اور دونوں فرقوں کے ماننے والے اپنی اپنی ریاستوں اور علاقوں میں مقتدر تھے۔ ان کی آویزش اپنی جگہ تھی' لیکن آزاد خیال' منکر اور مذہب بے زار "دانش ور" اس لڑائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مذہب اور خدا ہی کو کائنات سے بے دخل کیے دے رہے تھے۔ (یہ وہ منظر ہے جو گزشتہ ایک صدی

سے ہمارے ملک اور پوری مسلم دنیا میں بغیر کسی کاوش کے صاف دیکھا جا سکتا ہے)۔ پولش ع فلکیات کوپرنی کس (م ۱۵۴۳) نے یہ دعویٰ کر دیا تھا کہ زمین ساکن نہیں (جیسا کہ عیسائی مذہب علما یقین رکھتے تھے) 'بلکہ متحرک ہے' اور سورج کے گرد گردش کرتی ہے۔ کائنات وسیع ہوگئی' تو کرۂ ارض ایک بے حقیقت ذرہ بن کر رہ گیا۔ اس کائنات میں انسان اور انسانی اداروں کی کیا حیثیت تھی کچھ بھی نہیں۔ پھر یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے یسوع مسیح کو کیوں انسانیت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا کیوں خود مصلوب ہونے کے لیے دنیا پر اتر آیا؟ اس طرح کے سوالات نے مذہب کی کیاریوں پر تیز بارش کا کام کیا' اور وہ مرجھانے اور سوکھنے لگی۔ پھر جب گیلی لیو نے اپنی دوربین چاند کی طرف پھیر اور وہاں اسے کرۂ ارض کی طرح سطوح مرتفع' پہاڑ اور وادیاں نظر آئیں' تو بقول برے آن اے یارڈ جدید سائنس کا افتتاح ہو گیا (۳)۔ (جاری)

۱۔ دیکھیے ص ۱۴۱ The Story of Civilization: The Age of Reason Begins.

۲۔ Understanding the Present

۳۔ ح م ب ص ۶۵

آپ کی اطلاع کے لیے

ادارہ ترجمان القرآن کی مطبوعات کے لیے درج ذیل پتے پر رابطہ کیجیے

ادارہ ترجمان القرآن ' اردو بازار ' لاہور

☆

ماہنامہ ترجمان القرآن کے انتظامی امور کے لئے درج ذیل پتے پر رابطہ کیجیے

منیجر ' ماہنامہ ترجمان القرآن ' ۵۔ اے ذیلدار پارک اچھرہ ' لاہور

7587916 - 7585590

[خریدار خط و کتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں]